غالب کے لطیفے

جامع

انتظام اللہ شہابی

حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی

فہرست لطائف

عرض مرتّب

مولانا حالی لکھتے ہیں :-

"نجم الدولہ دبیر الملک نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب اکبرآبادی
کی
تقریر میں اُن کی تحریر اور ان کی نظم و نثر سے کچھ کم لطف نہ تھا
اور اس وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے مشتاق
رہتے تھے وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے مگر جو کچھ اُن کی زبان سے
نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت مزاج میں اس قدر
تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوان ناطق کے حیوان ظریف کہا جائے تو
بجا ہے حسن بیان۔ حاضر جوابی اور بات میں بات پیدا کرنا ان کی
خصوصیات میں سے تھا۔
اگر کوئی ان کے تمام ملفوظات جمع کرتا ایک ضخیم کتاب لطائف کی تیار
ہو جاتی "

مولانا نے اپنی تصنیف یادگار غالب میں زیادہ سے زیادہ لطیفے جمع کر دیئے
ہیں۔ مولانا آزاد نے آب حیات میں ادبی روایات غالب کو جگہ دی۔ اردوئے معلّیٰ
میں رقعات کی بعض عبارتیں لطیفہ اور ظرافت کا چٹخارہ لیئے ہوئے ہیں۔ ہر دو کتب سے

اقتباس کر کے "لطائف غالب" کتاب شائع ہوئی مگر یہ ناکافی تھی۔
اب سے کچھ دن پہلے کے لوگوں کو جنھوں نے مرزا کو دیکھا تھا۔ بہت سے
لطائف ان کے نوک زبان تھے اپنے بزرگوں سے اکثر غالب کے چٹکلے لطیفے سنا کرتا
تھا میرے حافظہ میں بہت کچھ محفوظ بھی ہیں ۔ بچپن خواجہ غلام غوث بیخبر خاں بہادر
ذوالقدر سے مرزا صاحب سے گہرے مراسم تھے ان کے خطوط کا مجموعہ عود ہندی
بیخبر صاحب نے ہی مرتب کیا اس میں جن اصحاب واعزا کے نام رقعات ہیں۔
ان کے احوال مخاطبین غالب کے نام سے راقم سطور نے کتابی صورت میں شائع
کئے۔ پنڈت مہیش پرشاد صاحب مولوی فاضل صدر شعبۂ اردو ہندو یونیورسٹی
بنارس نے مرزا صاحب کے احباب کے حالات طلب کئے میں نے تفصیل
سے انکو لکھ دیئے۔ مولانا امتیاز علی خانصاحب عرشی رام پوری نے پنج آہنگ
کی ترتیب کے سلسلہ میں جو خدمت لی بلا عذر تعمیل کر دی ۔ علاء الدین صاحب
خالد نے اصرار کیا حالی پبلشنگ ہاؤس کے لیئے "غالب کے لطیفے" ترتیب
دیدوں ۔ چنانچہ یادگار غالب، آب حیات، اردوئے معلّٰی "، اور اپنی یادداشت سے
ان کے یہاں بیٹھ کر "غالب کے لطیفے"، کتاب مرتب کر دی۔ لطائف کے لطائف اور
مرزا صاحب کی زندگی کا ایک مختصر مرقع ہے۔ لطیفے پڑھتے جایئے اور مرزا صاحب سے
باتیں کرتے جایئے ۔ میری یہ ناچیز شی کامشکور فرمانا ناظرین کی قبولیت پر ہے۔

انتظام اللہ شہابی

پتنگ

"نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب اکبرآبادی کے والد ماجد مرزا عبد اللہ بیگ خاں نے آخری عمر میں راؤ راجہ بختاور سنگھ کی فوج میں ملازمت اختیار کرلی تھی" اور میں کسی جنگ میں اپنے رسالے کے ساتھ تھے کام آئے۔ مرزا نصر اللہ بیگ خاں صوبہ دار اکبرآباد نے برادرزادہ کو سایۂ عاطفت میں لے کر پرورش کی پھر مرزا اپنے نانا خواجہ غلام حسین خاں کمیدان جو سرکار میرٹھ کے ایک فوجی افسر اور آگرہ کے عمائد سے تھے ان کے پاس آن رہے خواجہ کی وسیع املاک تھی مرزا کی امیرانہ طور طریق سے گذرنے لگی۔ ملّا محمد معظم سے فارسی علوم کی تحصیل کی۔ کچھ عرصہ میاں نظیر سے بھی علمی استفادہ کیا۔ پھر ملّا عبد الصمد ایرانی سے مستفیض ہوئے۔ مرزا کا کھیل کود میں جی خوب لگتا تھا۔ پتنگ بازی سے دلی شوق تھا۔ اپنی حویلی کلاں محل پر سے راجہ بلوان سنگھ کاشی سے پیچ لڑایا کرتے نو دس سال کی عمر تھی۔ انکے دوست کنہیا لال نے کہا پتنگ پر ایک مثنوی تو کہہ دو۔ شعر گوئی کا شوق مکتب سے تھا استاد کا رنگ پڑے بغیر نہ رہا۔ چنانچہ مثنوی پتنگ پر لکھدی۔ فرماتے ہیں:

ایک دن مثل پتنگ کاغذی — لے کے دل سر رشتۂ آزادگی
خود بخود کچھ ہم سے کنیانے لگا — اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
میں نے کہا اے دل ہوائے دلبراں — بسکہ ترے حق میں رکھتی ہے زباں

پیچ میں ان کے نہ آنا زینہار — یہ نہیں ہیں کسو کے دل کے یار
گورے پنڈے پر نہ ان کے کر نظر — کھینچ لیتے ہیں یہ ڈورے ڈال کر
اب تو مل جائے گی ان سے تری سانٹھ — لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ
سخت مشکل ہوگا سلجھانا ترا — قہر ہے دل ان سے الجھانا ترا
یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے — بھول مت اس پر اڑاتے ہیں تجھے
ایک دن تجھ کو اڑا دیں گے کہیں — مفت میں ناحق کٹا دیں گے کہیں
دل نے سن کر کانپ کر کھا پیچ و تاب — غوطہ میں جا کر دیا کٹ کر جواب

دشنہ در گردنم افگندہ اوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

حبس دوام

مرزا صاحب ایک دوست کو لکھتے ہیں۔

"رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ایک بیڑی (یعنی بیوی) میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا۔"

مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

ایک صاحب بنارس سے دلی آئے۔ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسد کے شعر کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد ہو وہ کونسا شعر ہے۔ انہوں نے میر امانی متخلص اسد شاگرد سودا کا شعر پڑھا۔

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

مرزا سنکر کہنے لگے "اگر یہ کسی اور اسد کا شعر ہے تو اس کو رحمت خدا کی ہو اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو مجھے لعنت خدا کی"

—— (×) ✠ (×) ——

دسترخوان یزید و بایزید

ایک روز دوپہر کا کھانا آیا اور دسترخوان بچھا۔ برتن تو بہت سے تھے مگر کھانا نہایت قلیل تھا۔ مرزا صاحب نے مسکرا کر کہا "اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید"

—— (+) ✠ (×) ——

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

دلّی کی ایک صحبت میں ارباب سخن بیٹھے ہوئے تھے حضرت آزردہ صہبائی، نواب شیفتہ، مولانا فضل حق مرزا غالب نے اپنا کلام تو تصنیف سنایا۔ آزردہ نے اعتراض کر دیا مولانا فضل حق نے مرزا صاحب سے کہا "حضرت شعر ایسا تو کہو جو قریب الفہم ہو چیستاں تو نہ ہو" اس پر مرزا صاحب نے فی البدیہہ فرمایا:۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل سن سن کے اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رام پوری جو نہایت ظریف الطبع تھے اور جن کو چند روز قلعۂ دہلی سے تعلق بھی رہا تھا۔ مرزا سے کسی موقعہ پر یہ کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر سمجھ میں نہیں آتا اور اسی وقت دو مصرعے خود موزوں کر کے مرزا کے سامنے پڑھے۔

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

مرزا پہلے تو سنکر حیران ہوئے اور کہا حاشا یہ میرا شعر نہیں ۔عبدالقادر از راہ مزاح کہنے لگے آپ کے دیوان میں موجود ہے میں نے خود دیکھا ہے اور دیوان ہو تو میں دکھادوں ۔ آخر مرزا صاحب سمجھے کہ مجھ پر اس پیرایہ میں عبدالقادر اعتراض کرتے ہیں ۔ آخرش کبیدہ خاطر ہوکے بولے : ۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

—— (+)+(✽)+(+) ——

غربت

مرزا صاحب دلی میں آگرہ سے آکے ایسے بسے پھر وطن جانے کا نام تک نہ لیا ۔ دلی کے اہل علم میں دھاک بیٹھی فضل وکمال سے چار چاند لگے ہوئے تھے ۔ البتہ دلی کے بعض شعراء کو انکی قبولیت کھٹکی ، نوک جھونک کرنے لگے ۔حکیم آغا جان عیشؔ کو مرزا سے دلی پرخاش سی تھی ۔حضرت ذوقؔ بھی ان سے کچھ خوش نہ تھے ۔ حکیم صاحب خود تو میدان میں آئے نہیں ۔ پوربیہ عبدالرحمن نامی جو مکتب داری کرنے دلی آبسا تھا اس کو گھیر لیا "ملاجی کی چگی ڈاڑھی اس پر لمبی اور نکیلی ۔ سرمنڈا ہوا ۔ اس پر نکو عمامہ فقط "

میاں جی "کھٹ بڑھئی"، نظر آتے حکیم صاحب نے "ہدہد" تخلص رکھا ۔ خود کہتے اور اس کی زبان سے دوسروں پر کہلواتے ۔ اس طرح گلہ ہے گاہے دل کی بھڑاس نکلا کرتی ۔ ابوظفر شاہ بہادر سے تعریف کراکر شہپر الملک ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر

خطاب بھی دلوادیا۔ ایک مشاعرہ میں حکیم مومن خاں مومن حضرت ذوق مرزا غالب اور دلی کے اساتذہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہدہد نے حکیم صاحب کے اشارے سے شعر پڑھا اور کہا کہ حضرت غالب کے انداز پر عرض ہے :-

مرکزِ محورِ گردوں بہ لبِ آب نہیں
ناخنِ قوسِ قزح شبہۂ مضراب نہیں

بقول مولانا آزاد " غالب مرحوم تو بہتے دریا تھے سنا اور ہنستے رہے"۔ اور فرمایا:-

تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

ستم پیشہ ڈومنی

اللہ بخشے حکیم محمد احمد خاں مرحوم یہ لطیفہ سناتے تھے۔

مرزا غالب کی شادی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی تھی۔ نواب صاحب کے یہاں تہواروں پر ڈومنیاں آیا کرتیں ایک ڈومنی سج دھج کی آفت کی پرکالی تھی اس پر طبیعت آگئی مگر وہ بغیر متعہ کے مرزا سے تعلق پسند نہ کرتی تھی۔ آخرش وقتی سلسلہ قائم ہوگیا۔ مگر وہ تھی بڑی غالی۔ سنّی وصوفی سے بڑی جلتی مگر جس گھر میں آتی وہ ہر دو باتوں سے متصف تھے۔ مرزا صاحب نے اس ستم پیشہ پر ایک شعر میں لطیف اشارہ کیا ہے ؎

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسد
مالِ سُنّی کا مُباح اور خونِ صوفی کا حلال

کلام مربوط

" ہندوستان میں فارسی زبان کا چراغ مدت سے ٹمٹما رہا تھا اور فارسی شاعری کی عمر طبعی اختتام کے قریب پہنچ گئی تھی مگر حسن اتفاق سے مولانا فضل حق مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولوی عبداللہ خاں علوی، مولوی امام بخش صہبائی، حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ، نواب ضیاالدین احمد خاں نیر، سید غلام علی خاں وحشت، مرزا غالب ، یہ سب ایک بھا بنائے ہوئے تھے۔ اور فارسی کی گرم بازاری ہوگئی تھی۔ ایک دن حضرت آزردہ کے یہاں سب بیٹھے ہوئے تھے مرزا غالب کے ہاتھ میں چند ورق تھے۔ مولانا آزردہ سے مزاح کے طور پر کہا " دیکھئے کسی ایرانی شاعر نے کیا زبردست غزل لکھی ہے" یہ کہہ کر غزل پڑھنی شروع کی مگر آزردہ قرینہ سے سمجھ گئے کہ مرزا کا یہ کلام ہے مسکرا کر جیسی انکی عادت تھی کہنے لگے: "کلام مربوط ہے مگر نوآموز کا کلام معلوم ہوتا ہے" سب حاضرین ہنس پڑے۔ مرزا صاحب نے مقطع دردناک آواز سے پڑھا۔

تو اے کہ محو سخن گستران پیشینی
مباش منکر غالب کہ در زمانہ تست

(×)(※)(×)

بدیہہ گوئی

مرزا غالب چند دن کے لیے آگرہ آئے ہوئے تھے۔ انکی تشریف آوری کی تقریب میں مفتی انعام اللہ ساحر نے ایک ادبی صحبت منعقد کی۔ مہاراجہ بلوان سنگھ راجہ اسیر، خلیفہ گلزار علی شیون، غلام قطب الدین خاں باطن، شورش زین العابدین وغیرہ شریک ہوئے۔ ایک شاعرہ درگابائی صنم بھی شمولیت کے لیے آئی۔

صنم جب انداز دلربائی اور طرح داری کے ساتھ مجلس میں آئی۔ ہرایک کی نگاہ اس پر جم گئی۔ مرزا صاحب نے اپنے دوست مرزا حسام الدین بیگ کی طرف دیکھ کر صنم کی طرف اشارہ کیا ؎

سیاہ چوٹی زرافشاں مانگ سبزا سپر دوشالہ ہے
غضب ہے پیر طاؤس میں کالے کو پالا ہے

ہرایک نے اپنا اپنا غیر طرح کلام پڑھا۔ شیخ احمد علی شیون نے اپنی غزل سنائی ؎

اس طرح کا آرام میسر ہے کہاں اور — بہتر نہیں مرقد کے سوا کوئی مکاں اور
کچھ خیر تو ہے جاتے ہیں ٹھاٹھ کے کہاں آپ — بتلایئے صاحب مجھے ہوتا ہے گماں اور

سُن کر مرے اشعار وہ فرماتے ہیں شیون
بندش ہے یہ کچھ اور یہ طرز بیان اور

ہرایک نے داد دی مگر مرزا صاحب شیون کی تعلی پر چین بجبین ہوئے۔ راجہ کے

بعد مرزا صاحب نے غزل پڑھی ؎

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور

کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

پوری غزل کے بعد مقطع ارشاد ہوتا ہے ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

—×(+)×—

میری اور سودائی

ایک مجلس میں مرزا صاحب اور شیخ ابراہیم ذوق دونوں موجود تھے مرزا صاحب نے میر تقی کی تعریف کی ذوق نے سودا کو میر تقی پر ترجیح دی۔ مرزا جنابِ ذوق سے فرماتے ہیں، ؎

"میں تو آپ کو میری سمجھتا تھا"

مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں"

—×(※)×—

ایں خانہ تمام آفتاب است

مولانا حالی فرماتے تھے کہ:۔

ایک روز مرزا صاحب نواب مصطفےٰ خاں کے مکان پر گئے، مکان سے

آگے تاریک چھتّہ تھا چھتّے سے گزر کر دیوان خانہ کے دروازہ پر پہنچے۔ جہاں نواب صاحب استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ مرزا صاحب نے فرمایا:-

"آب حیواں درون تاریکی ست"

جب دیوان خانہ میں داخل ہوتے تو اس کے دالان میں بسبب شرق رویہ ہونے کے دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا صاحب نے کہا:-

"ایں خانہ تمام آفتاب است"

مکان کی تلاش

ایک دفعہ مرزا صاحب مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان خود دیکھا کر دیکھا مگر اس کی محلسرا نہ دیکھ سکے۔ اس کو دیکھنے کے لیے اپنی بیوی کو بھیجا۔ جب وہ واپس آئیں تو ان سے مکان کی کیفیت پوچھی۔ انھوں نے کہا اس مکان میں تو لوگ "بلا" بتاتے ہیں" مرزا صاحب بولے "کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی "بلا" ہے"۔

خدا تک پہنچنے کا زینہ

مرزا غالب کے خسر نواب مرزا الٰہی بخش خاں معروف شغل پیری مریدی کا بھی رکھتے تھے اور اپنے سلسلہ کے شجرہ کی نقول اپنے مریدوں کو دیا کرتے" ایک دفعہ انہوں نے مرزا سے شجرہ نقل کرنے کے لیے کہا مرزا صاحب نے نقل تو کر دی مگر اس طرح کہ

ایک نام لکھ دیا دوسرا چھوڑ دیا تیسرا پھر لکھ دیا چوتھا حذف کر دیا۔ ان کے خسر صاحب نے یہ نقل شجرہ جو دیکھی، ان پر سخت ناراض ہوئے اور کہا میاں نوشہ یہ کیا غضب کیا۔ وہ بولے: "حضرت آپ اس کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔ شجرہ دراصل خدا تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے۔ سو زینہ کی ایک ایک سیڑھی اگر بیچ میں سے نکال دی جائے تو چنداں ہرج واقع نہیں ہوتا آدمی ذرا اُچک اُچک کے اوپر چڑھ سکتا ہے۔"

حضرتِ معروف برافروختہ ہوئے نقل کو چاک کر ڈالا مرزا کو شجرہ نقل کرنیکی پھر فرمائش نہ کی

مرزا غالبؔ کی خود داری

سنہ ۱۸۴۲ء میں گورنمنٹ انگلشیہ کو دہلی کالج کا انتظام از سر نو منظور ہوا۔ طامسن صاحب جو کئی سال تک اضلاع شمال و مغرب کے لفٹنٹ گورنر بھی رہے اسوقت سکریٹری تھے وہ مدرسین کے امتحان کے لیے دہلی آئے اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ مہینہ کا ایک مدرس عربی کا ہے ویسا ہی ایک فارسی کا بھی ہو لوگوں نے چند کاملوں کے نام بتائے ان میں مرزا غالبؔ کا نام بھی آیا۔ مرزا صاحب حسب الطلب تشریف لائے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی مگر یہ پالکی سے اتر کر اس انتظار میں ٹھہرے کہ حسب دستور قدیم صاحب سکریٹری استقبال کو تشریف لائیں گے جبکہ نہ وہ ادھر سے آئے نہ یہ ادھر سے گئے۔ اور دیر ہوئی تو صاحب سکریٹری نے جمعدار سے پوچھا۔ وہ پھر باہر آیا کہ آپ کیوں نہیں چلتے۔ انھوں نے کہا کہ صاحب استقبال کو تشریف نہیں لائے ہیں۔ کیونکر جاتا۔ جمعدار نے جا کر پھر عرض کی۔ صاحب باہر آئے اور کہا جب آپ دربار گورنری میں بحیثیت ریاست

تشریف لائیں گے تو آپ کی وہ تعظیم ہوگی۔ لیکن اس وقت آپ نوکری کے لیے آئے ہیں۔ اس تعظیم کے مستحق نہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ گورنمنٹ کی خدمت باعث زیادتی اعزاز سمجھتا ہوں نہ یہ کہ بزرگوں کے اعزاز کو بھی گنوا بیٹھوں۔ صاحب نے فرمایا کہ ہم آئین سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب رخصت ہو کر چلے آئے۔

بیا برادر آورے بھائی

مولانا فضل حق خیرآبادی اپنے زمانہ کے امام فلاسفہ تھے انکے والد مولانا فضل امام صدر الصدور دلی کے تھے۔ نوعمری مثل امراء کے گذری۔ شہزادوں سے میل ملاپ گو عالم مگر عادت و اطوار رئیسانہ۔ اس زمانہ میں وضع داری کی بنا پر فرقہ اہل نشاط سے ضرور تعلق رکھا جاتا۔ مولانا بھی وضع داری بنا ہنے کے لیے ایک علت لگائے ہوئے تھے۔ مرزا غالب مولانا کے یہاں آئے۔ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا مصرع پڑھا کرتے ؎

بیا برادر آورے بھائی

چنانچہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی مصرع کہہ کر مرزا صاحب کو بٹھایا۔ ابھی یہ بیٹھنے ہی پائے تھے مولانا کی منسلکہ بھی دوسرے کمرے والان سے اٹھ کر مرزا کے پاس آن بیٹھی۔ مرزا نے کہا ہاں مولانا اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجیے۔

بنشیں مادر بیٹھ ری مائی

مولانا مسکرا دیئے۔

ستاروں کی بے نظمی

ایک رات مرزا صاحب پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ستاروں کو دیکھ کر بولے جو کام بھی خود آرائی سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ ستاروں کو تو دیکھو کس ابتری سے بکھرے ہوئے ہیں نہ تناسب ہے نہ انتظام نہ بیل ہے نہ بوٹا مگر بادشاہ خود مختار ہے۔ کوئی نہیں دم مار سکتا۔"

———(+)+(×)+(+)———

ایک آنا دینا تھا

ایک روز مرزا صاحب کسی سے مل کر نواب مصطفےٰ خاں کے مکان پر آئے نواب صاحب نے کہا "آپ مکان سے سیدھے یہیں آئے ہیں یا کہیں اور بھی جانا ہوا تھا۔" مرزا نے کہا مجھ کو اُنکا ایک آنا دینا تھا۔ اس لیے۔ اوّل وہاں گیا تھا۔ وہاں سے یہاں آیا ہوں۔

———(×)+(××)+(×)———

دیوان فضل اللہ خاں الوری

ایک دن دیوان فضل اللہ خاں مرحوم جرٹ میں سوار مرزا صاحب کے مکان کے پاس سے بغیر ملے نکل گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو انھوں نے ایک رقعہ دیوان صاحب

کو لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ:۔

"کہ آج مجھ کو اس قدر ندامت ہوئی ہے کہ شرم کے مارے زمین
میں گڑا جاتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا نالائقی ہوسکتی کہ آپ
کبھی نہ کبھی تو اس طرف سے گذرے اور میں سلام کو حاضر نہ ہوسکا"
جب یہ رقعہ دیوان جی کے پاس پہنچا وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت گاڑی
میں سوار ہوکر مرزا صاحب سے ملنے آئے۔

ادبی معرکہ

مرزا صاحب پنشن کے قضیہ میں کلکتہ کی کونسل میں مرافعہ پیش کرنے گئے۔ راہ
میں گیارہ ماہ لکھنو ٹھہرے اس کے بعد کلکتہ پہونچے مرزا علی سوداگر شملہ بازار کے یہاں
مقیم ہوئے۔ یہاں ایک دلچسپ ادبی ہنگامہ بپا ہوگیا۔ ان دنوں مدرسہ کلکتہ کے زیر
اہتمام ہر ماہ بزم مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی۔ جب مرزا صاحب وہاں پہونچے تو ان کے
اعزاز میں ایک خاص مشاعرہ ہوا۔ پانچ ہزار کا مجمع تھا اتفاق سے اس زمانہ میں شہزادہ
کامران حاکم ہرات کی طرف سے ایک سفارت کلکتہ آئی ہوئی تھی۔ جس کے رئیس کفایت
خاں نامی ایک خوش ذوق اہل علم سے تھے وہ بھی مشاعرہ میں شریک ہوئے۔"
شعرائے کلکتہ نے غزلیں جو پڑھیں تو کفایت خاں زیر لب تبسم کرتے رہے۔ جب غالب نے
غزل پڑھی تو خاں موصوف نے دل کھول کر داد دی۔" مرزا فرماتے ہیں:۔

بچہ گیرند عیار ہوس و عشق دگر رسم بیداد مباد از جہاں برخیزد

جز وے از عالم واز ہمہ عالم بیشم   ہم چو موئے کہ بتاں راز میاں برخیزد

گر دہم شرح ستم ہائے عزیزاں غالب

رسم امید ہما نا زجہاں برخیزد

مجلس میں سے ایک صاحب بولے "ہمہ عالم" کی ترکیب درست نہیں ہے۔" ایک صاحب نے کہا "ہمہ" کے ساتھ اس کا ربط قتیل کے اجتہاد کے مطابق جائز نہیں[لہ] مرزا صاحب پہلے خاموش رہے۔ کفایت خاں نے ہمہ عالم کی سند میں حافظ صاحب کا شعر پیش کیا ہے

گر من آلودہ دامنم چہ عجب

ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

پھر بھی لوگ غوغا مچانے لگے جب مرزا غالب سے نہ رہا گیا انھوں نے کہا "قتیل کون وہ فرید آباد کا کھتری بچہ میں کیوں اس فرمایہ کو سند ماننے لگا۔ اس پر ہنگامہ اور بڑھ گیا مولوی محمد محسن اور نواب اکبر علی خاں نے لوگوں کو جواب دئے مگر کلکتہ والے مرزا سے بگڑ بیٹھے۔ مولوی احمد علی گو پاموی، مولوی احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ۔ وجاہت علی لکھنوی شاگرد قتیل وغیرہ نے اعتراضوں کی بھرمار کر دی۔ غالب نے یہ سوچا کہ "دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر" عقلمندی کا شیوہ نہیں۔ انھوں نے اپنی مشہور مثنوی باد مخالف لکھی جس میں اپنے سفر کلکتہ کی غرض وغایت اور فارسی میں اپنے مسلک اور اصول کی توضیح کی اور آخر میں قتیل کی بھی ہجو ملیح سی کر دی"

جس میں تعریضات کے اتنے تیز نشتر تھے کہ شاگردان قتیل کے قلوب میں چبھتے ہی رہے

لہ غالب از مہر صفحہ ۷۶

مے شوم خویش را بہ صلح وسیل
گرچہ ایرانیش نخواہم گفت

مے سرائم نواے مدح قتیل
سعدی ثانیش نخواہم گفت

نثر او نقش بال طاؤس است
انتخاب صراح قاموس است

چکنی ڈلی

دوران قیام کلکتہ میں مولوی کرم حسین جو مرزا صاحب کے دوست تھے۔
ایک مجلس میں کہا چکنی ڈلی پر کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ مرزا صاحب نے فی البدیہہ فرمایا ؂

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجیے
خال مشکین رخ دلکش لیلیٰ کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجیے فرض
نافہ آہوے بیابان ختن کا کہیے

صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
مے کدہ میں اسے خشت خم صہبا کہیے

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے
داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے

کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہیے

کیوں اسے تکمۂ پیراہن لیلا لکھیے
کیوں اسے نقش پئے ناقۂ سلمیٰ کہیے

کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیے

لیے نہ حضرت کے کفِ دست کو دل کیجے غرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

لعبتانِ فرنگ

مرزا صاحب نے کلکتہ میں لعبتانِ فرنگ کی گرم بازاری دیکھی تھی ان کا بے تکلف رہنا۔ پہناوے کی تراش خراش، صفائی ستھرائی، اس سے پہلے یہ نقشہ کاہے کو نظر سے گذرا تھا۔ دلی لوٹ کر آئے دوستوں نے کلکتہ کے حالات پوچھے۔ کہتے ہیں :-

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

وہ سبزہ زار ہائے مطرّا کہ ہے غضب
وہ نازنیں بتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے

صبر آزما وہ انکی نگاہیں کہ حف نظر
طاقت رُبا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ وا
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

تپان و قاسم

مرزا غالب کے قیام کلکتہ میں احمد بیگ خاں تپاں اور ابوالقاسم قاسم نے بڑی خدمت کی تھی - احمد بیگ خاں مرزا صاحب کے عزیز ہوتے تھے۔ قاسم کا

سلسلۂ تلمذ میر درد تک پہنچا تھا۔ ان دونوں کی مدح میں ایک غزل یہ لکھی:۔

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو پر ہیں یہ دونوں یار ایک
وضع میں گو ہوئی دو سر تیغ ہے ذوالفقار ایک

ہم سخن اور ہم زباں حضرت قاسم و تپاں
ایک تپش[1] کا جانشین درد کا یادگار ایک

نقد سخن کے واسطے ایک عیار آگہی
شعر کے فن کے واسطے مایۂ اعتبار ایک

ایک وفا و مہر میں تازگی بساط دہر
لطف و کرم کے باب میں زینت روزگار ایک

گلکدۂ تلاش کو ایک ہے رنگ ایک بو
ریختہ کے قماش کو ایک ہے پود تار ایک

مملکت کمال میں ایک امیر نامور،
عرصۂ قیل و قال میں خسرو نامدار ایک

گلشن اتفاق میں ایک بہار بے خزاں
میکدۂ وفاق میں بادہ بے خمار ایک

زندۂ شوق شعر کو ایک چراغ انجمن
کشتۂ ذوق شعر کو شمع سر مزار ایک

---

[1] مرزا جان تپش الناظر صفحہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۲ء۔

ایک محب چار یار عاشق ہشت و چار ایک

جان وفا پرست کو ایک نسیم نو بہار
فرق ستیزہ مست کو ابر تگرگ بار ایک

لایا ہے کہہ کے یہ غزل شائبہ ریا سے دور
کر کے دل و زبان کو غالب خاکسار ایک

فاقہ مستی

مرزا غالب میں فضول خرچی حد سے زیادہ تھی آئے دن مقروض رہتے۔ بوجہ تنگدستی کے قرضہ ادا نہ کر سکے قرض خواہ نے ان پر مقدمہ چلایا۔ چنانچہ مرزا صاحب کو عدالت میں جواب دہی کے لیے طلب کیا گیا۔ جب مرزا صاحب مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدرالصدور کے روبرو پیش ہوئے تو فرمایا:۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب نے مرزا کے خلاف ڈگری تو دیدی مگر مدعی کو اپنی جیب سے روپے ادا کئے

حادثۂ اسیری

جون ۱۸۴۷ء میں مرزا صاحب کو ایک سخت حادثہ پیش آیا انھیں بچپن سے چوسر اور شطرنج کھیلنے کی عادت تھی اس زمانہ میں بھی وہ اپنا خالی وقت چوسر کھیلنے میں گذارتے تھے اور محض شغل کے طور پر کچھ بازی بدکر کھیلتے۔ چونکہ حکام ان دنوں قمار بازی کے انسداد کے لیئے اپنی پوری کوشش صرف کر رہے تھے۔ کوتوال شہر کو مرزا صاحب سے بلا وجہ کی دشمنی تھی انھیں موقعہ پاکر جرم قمار بازی میں رکھ لیا اور مجسٹریٹ نے ان کے لیئے چند ماہ قید بامشقت اور دو سو روپے جرمانہ کی سزا کا حکم دیا۔ چند دن کے لیئے جیل جانا ہی پڑا اس طرح رہے جیسے حضرت یوسفؑ کو زنداں مصر میں رہنا پڑا تھا۔ بادشاہ کو اس واقعہ کی خبر لگی انھوں نے معظم الدولہ سے کہا کہ مرزا کو رہا کردیا جائے۔ چنانچہ معظم الدولہ نے نواب صاحب کلاں ریذیڈنٹ کو لکھا مگر شنوائی نہ ہوئی۔ ایک دن بیٹھے کپڑے میں سے جوئیں چن رہے تھے۔ نواب مصطفے خاں ملنے پہونچے۔ انھوں نے پوچھا کیا حال ہے آپ نے فرمایا:۔

ہم غمزدہ جس دن سے گرفتار بلا ہیں\
کپڑوں میں جوئیں بخیوں کے ٹانکوں سے سوا ہیں

مجسٹریٹ نے جلد رہا کردیا جس دن چھوٹے اپنا لباس تبدیل کرنے کا موقعہ آیا تو وہاں کا کرتہ وہیں پھاڑ کر پھینکدیا اور یہ شعر پڑھا ؎

ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قیمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

کالے کی قید

بعد رہائی میاں کالے حضرت محمد نصیر الدین، جو بہادر شاہ کے پیر تھے انکے مکان میں آکر رہے ایک روز میاں صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی مرزا صاحب نے کہا کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں ۔

خامۂ بیدل

اہل علم میں عام شہرت تھی مرزا صاحب کا نیا مسلک ہے۔ کسی استاد کے پیرو نہیں ہیں بے استادے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں چیستاں کہہ جاتے ہیں اس پر فرماتے ہیں۔

مجھے راہ سخن میں خوف گمراہی نہیں غالبؔ
عصائے خضر صحرائے سخن ہے خامۂ بیدل

آم کی خوبی

مولانا حالی لکھتے ہیں نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ناقل تھے کہ ایک مجلس میں جناب مرزا صاحب بھی موجود تھے آموں کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی ہر شخص اپنی اپنی رائے بیان کر رہا تھا کہ آم میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ آپ کی رائے میں آم کیسا ہونا چاہیئے۔ مرزا صاحب نے جواب دیا بھئی میرے نزدیک تو آم میں صرف دو باتیں ہونی چاہئیں۔ میٹھا ہو اور بہت ہو۔ یہ سُن کر سب سامعین ہنس پڑے۔

(×) + (×) + (×)

گدھا آم نہیں کھاتا

حکیم رضی الدین خان جو مرزا صاحب کے نہایت گہرے دوست تھے۔ انکو آم نہیں بھاتے تھے ایک دن مرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے اور مرزا بھی وہیں موجود تھے ایک گدھے والا اپنے گدھے لیئے ہوئے گلی سے گذرا آم کے چھلکے پڑے تھے، گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیئے۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھئے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا مرزا نے کہا۔ بیشک گدھا آم نہیں کھاتا۔

(×) + (×) + (×)

معتمد الدولہ

آغا میر معتمد الدولہ غازی الدین حیدر کے نائب السلطنت تھے۔ ان کا بڑا شہرا تھا مرزا کلکتہ جاتے ہوئے گیارہ ماہ لکھنؤ رہے تھے۔ غازی الدین حیدر اور آغا میر سے ملنے کے عرصے تک متمنی رہے۔ آغا تھا بڑا راشی اور کنجوس اس نے مرزا کو اپنے ملنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اس زمانہ میں لکھنؤ میں ایک مشاعرہ تھا۔ طرح پر غزل کہی مرزا اس خیال میں تھے۔ شاید مشاعرہ میں آغا میر آئیں گے مگر وہاں بھی وہ شامل نہ ہوا۔ آخر ش غزل مشاعرہ میں پڑھی اور آخر میں قطعہ سنایا۔

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزم سیر نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لائی یاں معتمد الدولہ بہادر کی امید
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

×(※)×

عیادت بہن

مرزا صاحب کی بہن چھوٹی خانم بیمار تھیں یہ عیادت کو ان کے گھر گئے پوچھا کیا حال ہے وہ بولیں کہ مرتی ہوں۔ البتہ قرض کی فکر بہت ہے اور کوئی سبیل ادا کرنے کی نہ ہو سکی گردن پر بار ہے۔ اور جا رہی ہوں۔ آپ ہنس کے بولے "بوا بھلا یہ کیا فکر ہے خدا کے یہاں کیا مفتی صدر الدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کر کے پکڑ وا بلائیں گے" بہن یہ فقرہ

سن کر ہنس دیں۔"

نواب شیفتہ

جاڑے کے دن تھے نواب شیفتہ مرزا کے گھر آنکلے۔ مرزا کے یہ گہرے دوستوں میں سے تھے مرزا شغل مے میں لگے ہوئے تھے۔ نواب کو دیکھ کر ان کے آگے شراب کا گلاس سرکا دیا وہ منہ دیکھنے لگے مرزا بولے "لیجئے نا" یہ چپ پھر مرزا نے کہا "حضرت جاڑے میں بھی نہیں پیتے"۔

شرابی کی دُعا

ایک دفعہ ایک شخص نے مرزا صاحب کے سامنے شراب کی برائیاں بیان کیں اور کہا کہ شرابی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا صاحب بولے "بھائی جس کو شراب میسر ہے اس کو اور کیا چاہیئے جس کے لیے دعا مانگے!"

دھوکے میں نجات پاگئے

ایک دفعہ ایک صاحب جن کی وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ نہایت متقی اور پرہیزگار شخص ہیں مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ مرزا نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی

سامنے میز پر گلاس اور شراب کا شیشہ رکھا تھا انھوں نے شربت کا شیشہ سمجھ کر اسے اٹھا لیا۔ پاس سے کوئی شخص بولا کہ "جناب یہ شراب ہے" انھوں نے جھٹ اُس کو میز پر رکھ دیا اور کہا "میں نے تو شربت کے دھوکے میں اٹھایا تھا" مرزا صاحب مسکرائے اور بولے "زہے نصیب۔ دھوکے دھوکے میں نجات ہو گئی"۔

———(×)+(※)+(×)———

قلعہ سے تعلق

مرزا غالب کے دن بڑے سختی سے گذر رہے تھے۔ خاندانی پنشن صرف ... ساڑھے باسٹھ روپے ماہوار تھی۔ ننہیال سے فتوح کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ کوئی آمدنی کی صورت نہ تھی۔ حکیم احسن اللہ خاں مدار المہام طبیب شاہی مرزا کے قدردان تھے ان حضرت نے سفارش کی اور بہادر شاہ نے منظور کر لیا۔ کہ مرزا خاندان تیموری کی تاریخ فارسی زبان میں لکھیں۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں بادشاہ کے حضور پیش ہوتے۔ ابوظفر بہادر شاہ نے نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کہہ کر خطاب کیا۔ کارپردازوں نے خلعت پہنایا پچاس روپے ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا اور یوں مرزا صاحب باقاعدہ قلعہ کے ملازم ہو گئے۔ اس موقعہ پر مرزا نے فی البدیہہ کہا ؎

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہیں میں

———(×)+(※)+(×)———

مرزا رجب علی بیگ سرورؔ

مرزا رجب علی بیگ سرور دلّی آئے سراں میں ٹھہرے۔ پھر مرزا صاحب کے گھر پوچھتے پوچھتے پہونچے۔ اس وقت مرزا کے پاس حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی بیٹھے تھے۔ مرزا پلنگڑی پر لیٹے ہوئے تھے۔ سرہانے شاہ صاحب رونق افروز تھے۔ سرور آئے اور بیٹھ گئے۔ کہنے لگے حضرت مجھ کو آپ تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ مرزا ہنس کے بولے:۔

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالبؔ کو نہ جانے

شاعر تو بہت اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

سرور نے کہا "حضرت کبھی فسانۂ عجائب بھی ملاحظہ سے گذری" مرزا بولے:۔ "واہ کس کتاب کا نام لیا۔ حضرت بھٹیاریوں کی زبان میں قصہ لکھا ہے" سرور چند منٹ بیٹھ کر اٹھ آئے۔ ایک صاحب بولے "مرزا صاحب یہی سرور تھے" آپ نے بڑی بے رخی برتی۔ کہنے لگے کہ "مجھ کو پہلے سے نہ کہا اور شاہ صاحب سے کہا حضور میں اور آپ کل صبح سراں چلیں گے" چنانچہ ہر دو صاحب سراں پہونچے۔ سرور نے بڑی آؤ بھگت کی۔ اِدھر اُدھر کے ذکر کے بعد فسانۂ عجائب کا ذکر چھڑ گیا۔ کہنے لگے خوب عبارت ہے۔ کہیں شہزادیوں کی زبان ہے کہیں بھٹیاریوں کی، انداز تحریر خوب ہے تعریف و توصیف ایسی کی مرزا سرور خوش ہو گئے۔ دل سے غبار کدورت دُھل گیا۔ انکو رضامند کر کے گھر لوٹے کہنے لگے "دل آزاری غالب کا شیوہ نہیں"۔

مسجد کے زیر سایہ

مرزا آخری عمر میں حکیم محمود خاں کے دیوان خانہ کے متصل مسجد کے عقب میں آن رہے تھے۔ ایک صاحب نے کسی مجلس میں پوچھا حضرت مکان کہاں ہے آپ فرماتے ہیں:۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

~~~~~~~~(✻)+(✻)+(✻)+(✻)~~~~~~~~

معرکہ غالبؔ اور ذوقؔ

ابوظفر بہادر شاہ کی چہیتی بیگم نواب زینت محل تھی انکو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ شاہ ظفر کچھ انسے دب ہی گئے تھے۔ جو چاہتی وہ کرا لیتی۔ ان کے بطن سے مرزا جواں بخت تھے۔ اصلی ولیعہد بہادر دارا بخت تھے وہ باپ کے آگے سدھارے پھر مرزا شاہرخ ہوئے وہ انتقال کر گئے تو مرزا فخرو ہوئے۔ ان کو بھی موت کی نظر لگ گئی اور بھی مرشد زادہ تھے مگر نواب زینت محل کی تمنا تھی دوسرے شہزادوں کے ہوتے ہوئے مگر جواں بخت ہی ولی عہد ہو، آخرش بہادر شاہ بھی اس کوشش میں لگ گئے، ان کی شادی کا موقعہ آیا، شاہانہ انتظام کئے گئے۔ مرزا غالب نے زینت محل کی فرمائش سے سہرا کہہ کر سنہری قسنت میں رکھ کر حضور شاہ میں گذارا؟
~~~~~~~~

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے بہتر کوئی کہہ دے سہرا

مقطع کو جو بادشاہ نے سنا تیور بدل گئے خیال گذرا اس میں ہم پر چشمک ہے اس سہرے کے برابر کوئی سہرا لکھنے والا نہ رہا ہم کو دوں دیگر شعر گوئی کرتے ہیں نام کا استاد بنا رکھا ہے اور ملک الشعرا صرف دیکھنے ہی دیکھنے کے ہیں جب معمول شیخ ابراہیم ذوق حضور میں گئے تو بادشاہ نے کہا استاد دیکھیے مرزا نوشہ

نے سہرے میں کیا کیا گل کاریاں کی ہیں۔ ذوق نے سہرے کو پڑھا اور بموجب عادت
کے عرض کی "پیر و مرشد درست"
بادشاہ نے کہا "استاد درست خوب کہا اجی حضرت اس کے مقابل میں
تم بھی ایک سہرا لکھ دو" عرض کی "بہت خوب" پھر فرمایا "ابھی لکھ دو اور ذرا مقطع پر بھی
نظر رہے" حضرت ذوق وہیں بیٹھ گئے اور عرض کیا ہے

سہرا

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

آج وہ دن ہے کہ لائے درِ انجم سے فلک
کشتیِ زر میں مہِ نو کی لگا کر سہرا

تابشِ حسن سے مانندِ شعاعِ خورشید
رخِ پُرنور پہ ہے تیرے منور سہرا

وہ کہے صلِ علیٰ یہ کہے سبحان اللہ
دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تا بنے اور بنی میں رہے اخلاص بہم
گوندھیے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی
گائیں مرغانِ نواسنج نہ کیونکر سہرا

روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار
تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

ایک کو ایک پہ تزئیں ہے دمِ آرائش
سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

ایک گہر بھی نہیں صدکانِ گہر میں چھوڑا
تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا

پھرتی خوشبو سے ہے اتراتی ہوئی بادِ بہار
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی
کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پر سہرا

رونمائی میں تجھے دے مہ و خورشید فلک
کھول دے منہ کو جو تو منہ سے ہٹا کر سہرا

مزے ہے تماشائیوں کے   دم نظارہ ترے روئے نکو پہ سہرا
دُرِ خوش آب مضامیں سے بنا کر لایا   واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

جن کو دعویٰ سخن ہو یہ سنا دو اُن کو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

... ارباب نشاط حضور شاہ میں ملازم تھے اسی وقت انھیں ملا۔ شام تک شہر کی گلی گلی کوچہ کوچہ میں پھیل گیا۔ دوسرے ہی دن اخباروں میں مشتہر ہوا۔ مرزا بھی بڑے ادا شناس اور سخن فہم تھے سمجھے کہ کہنا کچھ اور ہو گیا کچھ اور کہہ کر یہ قطعہ حضور میں گزرانا :-

قطعہ در معذرت

منظور ہے گزارش احوال واقعی   اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری   کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل   ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں   مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال   یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جام جہاں نما ہے شاہنشاہ کا ضمیر   سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا   جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثال امر   دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات   مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ   سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں   ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

دربار کی غیر حاضری کا عذر

مرزا صاحب نے مسہل لے رکھا تھا۔ معالج نے مسہل کے دوران میں چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا چنانچہ مرزا صاحب کئی روز گھر میں لیٹے رہے۔ جب مسہل کے دن ختم ہوئے تو دربار شاہی میں حاضر ہو کر اتنے دن کی غیر حاضری کے عذر میں یہ قطعہ پڑھا

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آ پڑی
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

شیطان کا قید خانہ

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اٹھتے تھے وہ مکان دروازے کی چھت پر تھا اور اس کے ایک جانب ایک کوٹھری تنگ و تاریک جس کا در اس قدر چھوٹا تھا کہ کوٹھری میں بہت جھک کر جانا پڑتا تھا۔ اس میں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا۔ اور مرزا اکثر گرمی اور لو کے موسم میں دس بجے سے تین چار بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن جبکہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا مولانا صدر الدین خاں آزردہ ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے چلے آئے اس وقت مرزا صاحب اسی نوعمری

میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہنچے اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے کہ:-

"ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے۔ مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہو گیا۔"

مرزا نے کہا "قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھری تو ہے۔"

سُنّی مسلمان

رمضان کا مہینہ تھا مولوی عبدالقادر دہلوی مرزا سے ملنے آئے۔ عصر کا وقت تھا مرزا نے خدمتگار سے پانی مانگا۔ مولوی صاحب نے تعجب سے کہا۔ جناب کا روزہ نہیں ہے۔" مرزا نے کہا "سُنّی مسلمان ہوں، چار گھڑی دن رہے سے روزہ کھول لیتا ہوں"

روزہ کھانا

ایک دفعہ بہادر شاہ نے مرزا صاحب سے پوچھا "مرزا تم روزہ کیوں نہیں رکھتے"

مرزا صاحب نے عرض کیا "پیر و مرشد جب کھانے کو نہیں ملتا تو روزہ ہی کھا لیتا ہوں"۔

بادشاہ یہ سنکر ہنس دئے۔

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں

چند دوستوں نے کہا مرزا صاحب اِمساں تو روزے رکھ ہی لو۔ اتفاق ایسا ہوا گرمی بہت پڑی۔ ایامِ صیام آئے تو مئی جون میں آئے۔
فرماتے ہیں۔

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں

روزہ میرا ایمان ہے غالب لیکن
خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں

خسرو و غالب

ایک دفعہ سراج الدین بہادر شاہ کے دربار میں حضرت سلطان جی اور میر خسرو کا تذکرہ آگیا مرزا بھی موجود تھے۔ انھوں نے اس وقت یہ شعر موزوں کر کے کہا۔

ملے دو مرشدوں کو قدرتِ حق سے ہیں طالب
نظام الدین کو خسرو سراج الدین کو غالب

غسلِ شاہ

ابوظفر بہادر شاہ وبائی مرض میں مبتلا ہوئے کچھ عرصہ بعد علالت سے شفا پائی۔ زینت محل کی طرف سے بادشاہ کے غسل کا انتظام کیا جارہا تھا۔ اس پر فرماتے ہیں:

شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر
دیکھئے کب دن پھریں حمام کے

(×) + (×) + (×)

شفا یابی

غسلِ صحت کے بعد مرزا صاحب مبارکبادی کے لیے حضورِ شاہ میں پہونچے۔ فرماتے ہیں:۔

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

(×) + (×) + (×)

غالب و صہبائی

مرزا غالب اور جناب صہبائی میں گہرے تعلقات تھے۔ ایک دوسرے

کی قدر دانی کرتا ہو۔ چنانچہ مرزا نے جہاں معاصرین کا ذکر کیا ہے صہبائی کو بھولے نہیں

مومن و نیر و صہبائی و علوی و نگاہ
حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں

جہاں مرزا صاحب نے اپنی ہمہ دانی کو ٹھیس لگتے ہوئے دیکھا۔ دوستی و ملاقات کو بالائے طاق رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ "قاطع برہان" کی مخالفت میں مرزا رحیم بیگ شاگرد مولانا امام بخش صہبائی نے "قاطع برہان" شائع کی۔ مرزا صاحب چراغ پا ہو گئے کہنے لگے۔

"نامہ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے وہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی لکھتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ بھی ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اس ہیچ پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو" [1]

—(×)+(×)+(×)—

روزہ بہلانا

ایک دفعہ مرزا صاحب نے رمضان کے مہینہ میں ایک دوست کو خط میں لکھا

---

[1] ارقعوت معلی (۲) بنام عبد الرزاق شاگرد،

دھوپ بہت تیز ہے روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہوں
کبھی پانی پی لیا کبھی حقہ پی لیا کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا کھا لیا۔ یہاں کے
لوگ عجب فہم رکھتے ہیں۔ میں یوں روزہ بہلاتا ہوں اور یہ صاحب
فرماتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز
ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے۔"

لطف عام

ایک مرتبہ کسی نے مرزا صاحب کے لیے عمدہ عمدہ آم کا ٹوکرا تحفہ کے بطور بھیجا
مرزا نے ٹوکرے کو کھول کر دیکھا تو فرمایا:

لطفِ خاص نہیں فیضِ عام ہے
شراب نہیں آم ہے

غالب اور مومن

مولوی انعام اللہ خاں اکبر آبادی حکیم محمود خاں مرحوم کی زبانی یہ لطیفہ بیان کرتے
تھے۔ ایک دن مرزا غالب کے پاس کچھ دوست بیٹھے ہوئے تھے حکیم مومن خاں کا
ذکر آ گیا۔ انہیں سے ایک صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

ذکر کر بیٹھیں برائی سے بھی میرا شاید   اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

مرزا صاحب نے سنا اور کہنے لگے :۔

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

اور مرزا صاحب فرمانے لگے حکیم مومن خاں نے مجھے ایک صحبت میں یہ شعر سنایا

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

میں نے بے حد تعریف کی اس اثنا میں ایک شعر میرے ذہن میں آیا اور مومن خاں کے سامنے پیش کیا ۔

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

حکیم صاحب نے میرا دل رکھنے کو بڑی تعریف کی ۔

مشاعرہ

دلی میں آئے دن آزردہ و شیفتہ کے یہاں مشاعرہ ہوا کرتے ۔ غالب اور مومن کی طرح پر غزل کہی حسن اتفاق ہے ہر دو کے ملتے جلتے شعر تھے ۔

مومن خاں کہتے ہیں ۔

کیا ہوا ہوا گر وہ بعد امتحاں اپنا
بیگناہ مزا پانے اب وہ دل کہاں اپنا

بعد مدت اس کوسے یوں پھرے پشیماں ہو کر
جا سے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

دیکھئے پس مرتان حال جسم وجان کیا ہو — مدعی زمیں اپنی دشمن آسماں اپنا

مرزا غالب فرماتے ہیں :-

مئے وہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں یارب — آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے — عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے — بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

شعر مومن کے بدلے دیوان غالب

ایک دن مرزا صاحب کے یہاں شعر وسخن کے چرچے ہو رہے تھے۔ ایک صاحب نے حکیم مومن خاں کا یہ شعر پڑھا ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مرزا غالب بولے خاں صاحب اگر اس شعر کو میرے تمام دیوان کے عوض میں دیدیں تو بھی میں فائدہ میں رہوں" اور یہ اپنا شعر پڑھا ؎

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو — انسان ہے بجائے خود ایک محشر خیال

ذوق وغالب

قلعہ میں بادشاہ کی طرف سے شاہی مشاعرہ تھا شہر کے تمام مشاہیر شعراء شریک تھے صہبائی ذوقی، عالی، عارف، مومن، علائی صابر، نیرو آزردہ، شیفتہ وغیرہ۔ مرزا صاحب

بھی شامل ہوئے، بیٹھتے ہی فرماتے ہیں :۔

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے ۔ چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمائش ہے

مرزا نے غزل پڑھی :۔

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے ۔ رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لیے

بلا سے گر مژہ یار تشنۂ خون ہے ۔ رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خوں فشاں کیلئے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے

اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

نواب مصطفےٰ خاں کہتے تھے ذوق نے اس شعر کی بہت تعریف کی مرزا گھر چلے گئے تو اسی طرح حضرت ذوق نے فی البدیہہ غزل مجلس کو سنائی :۔

مزے یہ دل کے لیے تھے نہ تھے زباں کیلئے ۔ سو ہم نے دل میں مزے سوزش نہاں کیلئے

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف ۔ اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

دال

حضرت ابوظفر کو مونگ کی دال بہت پسند تھی۔ بادشاہ جس درباری پر مہربان ہوتے اس کے لیے اپنا ادش بھجواتے چنانچہ مرزا صاحب کے لیے شاہی تورا دہ گیا اس میں مونگ کی دال بھی تھی مرزا فرماتے ہیں ۔

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جمجاہ نے دال ۔ ہے لطف و عنایات شاہنشاہ پہ دال

یہ شاہ پسند دال ہے سخت وجدل ۔ ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

نواب تجمل حسین خاں

نواب تجمل حسین خاں والیٔ فرخ آباد علم کے قدردان تھے مرزا صاحب کے کلام کا شہرا تھا۔ نواب نے فرخ آباد آنے کی مرزا صاحب کو دعوت دی مگر مرزا گئے نہیں۔ ایک غزل لکھ کر بھیجدی:۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

زبان پر بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ مرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک
بنا ہے چرخ بریں جس کے آستاں کے لیے

~~~~(×)+(×)+(×)~~~~

ذوق فزا

حضرت ظفر بطور تفریح اپنے استاد ذوق کو مرزا غالب سے بھڑا دیا کرتے ایک دن مرزا صاحب نے بادشاہ کو غزل سنائی اور استاد شاہ پر اشارہ کر گئے۔

خامہ میرا کہ وہ ہے باربدِ بزمِ سخن
شاہ کی مدح میں یوں رقم سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
ترے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

~~~~(×)+(×)+(×)~~~~

مرگِ ناگہانی

مولانا خواجہ غلام غوث بیخبر خاں بہادر ذوالقدر میر منشی لفٹنٹ مغربی و شمالی دہلی آئے مرزا صاحب سے ملنے گئے۔ مرزا صاحب کو جناب بیخبر سے خصوصیات تھیں دیکھ کر خوش ہوئے مگر مرزا صاحب کا حال پھنسی پھوڑے سے پتلا ہو رہا تھا۔ تکلیف سے زندگی کے عاری تھے بیخبر صاحب نے پوچھا حضرت کیا حال ہے کہنے لگے :۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

کچھڑی کھائی دن بہلائے

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں۔

"لو صاحب کچھڑی کھائی دن بہلائے۔ کپڑے پھلائے گھر کو آئے دو شنبہ کے دن غضب الٰہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا۔

مغلوب غلبہ غم دل غالب حزیں   کاندر تنش ز ضعف تواں گفت جاں بود
از رام پور زندہ بدہلی رسیدہ است   مارا بایں گیاہ ضعیف ایں گماں بود

میرن صاحب

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

"بھئی میں تم سے بہت آزردہ ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت نہ مجھ کو تہنیت بلکہ اس طرح سے لکھا ہے کہ گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا۔ لکھتے ہو کہ میرن صاحب ویسے ہی ہو گئے جیسے آگے تھے اچھلتے کودتے پھرتے ہیں اس کے یہ معنی کہ ہے ہے کیا غضب ہوا کہ یہ کیوں اچھے ہو گئے یہ باتیں تمہاری ہم کو پسند نہیں آتیں تم نے میر کا وہ مقطع سنا ہوگا۔ بہ تغیر الفاظ لکھتا ہوں ؎

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں
دلی والوں میں ایک بچا ہے یہ

نعلین تحت العین

ایک دن جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ مرزا غالب سے ملنے سردار مرزا آئے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد جانے لگے تو مرزا خود شمعدان لیکر کھسکتے کھسکتے فرش کے کنارے تک آئے تاکہ اپنا جوتا روشنی میں دیکھ کر پہن لیں انہوں نے کہا قبلہ وکعبہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی میں اپنا جوتا خود پہن لیتا"

مرزا صاحب بولے "میں آپ کا جوتا دکھانے کو شمعدان نہیں لایا بلکہ اس لیے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔"

حضرت نواب

مرزا صاحب رام پور میں مقیم تھے عرصہ بعد دلی آنے کا ارادہ کیا نواب یوسف علی خاں ناظم سے رخصت دلی آنے کی لی۔ اس زمانہ میں ایک غزل کہی اس میں فرماتے ہیں:۔

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

بدیہہ گوئی

حسین علی خاں چھوٹے سے تھے ایک دن کھیلتے کھیلتے مرزا صاحب کے پاس آنکلے اور کہنے لگے "دادا جان پیسہ دو" آپ نے کہا میاں میرے پاس اس وقت ایک حبہ نہیں وہ طاق پر سے صندوقچہ اٹھا لائے اور کھول کے ہر ایک خانہ میں دیکھ بھال کرنے لگے۔ پیسہ تھا نہیں جو ملتا، آپ نے کہا بیٹا وہ

درم و دام اپنے پاس کہاں
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

اسیر بدایونی

مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی دلی آئے اور مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے پہلے سے شعر و سخن میں اصلاح لیا کرتے تھے اور حضرات بھی مرزا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ فارسی شعرا کا ذکر آگیا جناب اسیر نے حسن بیگ رفیع کا شعر پڑھا۔

خوش ولیم زیں کہ یار نامہ نویسم شب و روز
مقصدم نیست کہ مکتوب رسد یا نرسد

مرزا صاحب نے سنا اور اسی وقت یہ شعر فرمایا:۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

تمام لوگ پھڑک گئے۔ اسیر نے کہا استاد آپ کا تخیل بڑھ گیا۔

نوشت و خواند

مرزا صاحب مہر نیم روز کے لکھنے میں لگے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی عنایات بھی دن بدن مرزا پر بڑھ رہی تھیں۔ مرزا بھی ایک نہ ایک رباعی یا شعر بادشاہ کو خوش کرنے کو کہہ دیا کرتے فرماتے ہیں:۔

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مدح بادشاہ   بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت و خواند

آم کی بہنگی

ایک روز بہادر شاہ آموں کے موسم میں چند مصاحبوں کے ساتھ جس میں مرزا بھی تھے باغ حیات بخش یا مہتاب باغ میں ٹہل رہے تھے۔ آم کے پیڑ رنگ برنگ کے آموں سے لدے ہوئے تھے یہاں کا آم بادشاہ یا سلاطین یا بیگمات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا بار بار آموں کی طرف غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو۔ مرزا نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ پیر و مرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے۔

ہر سرِ ہر دانہ بنوشتہ عیاں کاین فلاں ابن فلاں ابن فلاں

اس کو دیکھتا ہوں کہ کسی دانہ پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام لکھا ہے یا نہیں۔ بادشاہ مسکرا دئے اور اسی روز ایک بہنگی آموں کی مرزا کو بھجوائی۔

(x) +(-x-)+ (x)

کیوں نہ دلّی میں ہر اک ناچیز نوابی کرے

بادشاہ کے یہاں ہر کہ ومہ کی پہنچ ہو گئی تھی۔ فرخ سیر کی بیوی کے بھتیجے بادشاہ کے منہ بہت لگ گئے تھے سنے وہ فرقۂ اہل نشاط سے مگر نوابی کا دم بھرتے۔ کچھ موزوں طبع شعرا کو بھی اپنا ہم نشین بنا رکھا تھا مگر شرفا کے منہ بہت آتے مرزا پر بھی ڈورے ڈالے مگر انہوں نے منہ نہ لگایا:۔

بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو غالب تو پھر کیوں نہ دلّی میں ہر اک ناچیز نوابی کرے

بیسنی روٹی

مرزا صاحب کو بادشاہ کے یہاں دن بدن تقرب حاصل ہونے لگا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے ان کو چوبدار کے ہاتھ بیسنی روٹیاں بھیجیں جب چوبدار مرزا صاحب کو بیسنی روٹیاں دے کر چلا گیا تو ایک دیہاتی طالب علم نے جو مرزا صاحب سے پڑھتا تھا اور وہیں موجود تھا۔ مرزا صاحب سے پوچھا کہ بیسنی روٹیاں ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے تحفہ کے طور پر تقسیم ہوتی ہے۔ مرزا صاحب نے کہا:۔

"اے احمق چنا وہ چیز ہے کہ اس نے ایک دفعہ جناب الٰہی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں۔ دلتے ہیں، پیستے ہیں، بھونتے ہیں، پکاتے ہیں اور مجھ سے سینکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے۔ ایسا کسی پر نہیں ہوتا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جا تجھے ورنہ ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھائیں"

مرزا نے ان بیسنی روٹیوں کے تشکریہ میں ذیل کا قطعہ بادشاہ کے حضور پڑھا۔

نہ پوچھو اس کی حقیقت حضور والا نے ۔۔۔ مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر ۔۔۔ جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

گدھے کی لات

مرزا غالب نے قاطع برہان کیا لکھی فارسی دانوں میں ایک آگ سی لگ گئی۔ بہت سے لوگوں نے اس کے جواب لکھے مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ منہ چڑھایا ہے جواب نہ پڑا تو گالیوں پر اتر آئے۔ مولوی امین الدین کی قاطع قاطع ایسی ہی ہے۔ مرزا صاحب نے اس طرف توجہ بھی نہ کی۔ ایک مقرب خاص نے کہا کہ آپ نے معین الدین کی کتاب کا جواب نہ لکھا فرمایا "بھائی اگر کوئی گدھا تمہارے لات مارے تو تم اس کا کیا جواب دوگے"؟

~~~~~~~~(×)+(※)+(×)~~~~~~~~

میاں مٹھو

جاڑے کا موسم تھا۔ ایک طوطا پنجرے میں سردی کے مارے پروں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ مرزا صاحب طوطے سے کہنے لگے "میاں مٹھو تمہارے جورو نہ بچے تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو"۔

~~~~~~~~(×)※(×)~~~~~~~~

شیطان غالب ہے

رمضان کا مہینہ مرزا نواب حسین مرزا صاحب کے یہاں بیٹھے تھے۔ پان منگا کر کھایا۔

ایک صاحب فرشتہ سیرت نہایت متقی و پرہیزگار اس وقت حاضر تھے انھوں نے متعجب ہوکر پوچھا "قبلہ آپ روزہ نہیں رکھتے"؟ مسکرا کر بولے "شیطان غالب ہے"

(x)*(x)

ماوراالنہری

ایک بار بہادر شاہ نے دربار میں ذکر کیا کہ مرزا اسداللہ خاں شیعہ ہیں۔ مرزا کو خبر لگ گئی گھبرا گئے اور موقع سے چند رباعیاں حضور میں گذرانیں۔

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری ۔ کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی ۔ شیعی کیونکر ہو ماوراالنہری

(x)*(x)

سیم کے بیج

ایک دن ابوظفر بہادر شاہ نے مرزا کو سیم کے بیج سالن کے لیے بھیجے۔ شکریہ میں کہتے ہیں ے

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے ۔ بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار ۔ فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

(x)+(x)+(x)

سال گرہ

بہادر شاہ کی سال گرہ کی تقریب تھی مرزا صاحب بھی بلائے گئے تحفہ تحائف حضور میں گزارے۔ مرزا نے بھی اپنی فکر پیش کی ؎

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے ۔۔۔ تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ۔۔۔ ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے

ولی

ایک دن بادشاہ کے حضور میں مرزا صاحب بیٹھے تھے۔ بادشاہ نے کہا "مرزا کوئی نیا کلام سناؤ۔"

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا ۔۔۔ اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب ۔۔۔ تجھے ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

بہادر شاہ نے ہنس کر فرمایا "بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے" مرزا بولے "حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس لیے ارشاد ہوا کہ کہیں میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔"

تجھ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک
غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

سکّہ

ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا بہادر شاہ نے اپنی عام شاہنشاہیت کا اعلان کیا۔ قلعہ معلیٰ میں دربار کیا گیا مرزا صاحب خود تو خوف کے مارے گئے نہیں سکّہ کہہ کر حضور میں بھیجدیا۔

بزرزد سکہ کشورستانی سراج الدین بہادر شاہ ثانی

---(×)(٭)(×)---

علی بہادر خاں

نواب علی بہادر خاں رئیس باندہ علمی ذوق کے بزرگ تھے شعر و سخن سے شوق تھا۔ منیر شکوہ آبادی سے تلمذ تھا۔ مرزا صاحب کو ان سے خصوصیت تھی۔ ہنگامہ میں علی بہادر خاں نے بلوائے عام میں حصہ لیا۔ بعد تسلّط نظر بند کئے گئے۔ ان دنوں جو پکڑا گیا دار کا سزاوار ہوا مرزا نے ایک غزل کہی اس میں مقطع میں نواب کو مخاطب کیا ہے

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں　　مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

غالب خدا کرے سوار سمندِ ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

---(×)(٭)(×)---

دردِ جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ

بہادر شاہ رنگون سدھارے مرزا صاحب کو بڑا قلق ہوا مگر کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے خود جان کے لالے پڑے تھے بےچینی اور کرب کو اس طرح ادا کیا۔

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا
جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ

ہر داغِ تازہ یک دلِ انتظار ہے
عرضِ فضائے سینۂ دردِ امتحاں نہ پوچھ

کہتا تھا کہ وہ محرمِ راز اپنے سے کہ ہاں
دردِ جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ

باغی مسلمان

غدر کے بعد جبکہ پنشن بند تھی اور دربار میں شریک ہونے کی اجازت ہوئی تھی پنڈت موتی لعل میر منشی لفٹنٹ پنجاب مرزا صاحب سے ملنے کو آئے کچھ پنشن کا ذکر چلا مرزا صاحب نے کہا "تمام عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہگار پھر میں نہیں جانتا کہ سرکار نے کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کیا۔"

آدھا مسلمان

ہنگامہ کے بعد پکڑ دھکڑ ہونے لگی مرزا صاحب بھی بلائے گئے کرنل براؤن کے روبرو گئے تو اس وقت کلاہ بپاخ انکے سر پر تھی۔ انہوں نے مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا کہ "ول تم مسلمان؟" مرزا نے کہا "آدھا" کرنل نے کہا "اس کا مطلب" مرزا بولے "شراب پیتا ہوں سور نہیں کھاتا" کرنل یہ سنکر ہنسنے لگا اور آپ کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

―――――(×××)(×)―――――

پاؤں دابنے کی اجرت

مرزا کے خاص خاص شاگرد اور دوست جن سے نہایت بے تکلفی تھی اکثر شام کو ان کے پاس جاکر بیٹھتے اور مرزا سرور کے عالم میں اس وقت بہت پر لطف باتیں کیا کرتے تھے

ایک روز میر مہدی مجروح بیٹھے تھے اور مرزا پلنگ پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے میر مہدی پاؤں دابنے لگے۔ مرزا نے کہا "بھئی تو سید زادہ ہے مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے" انہوں نے نہ مانا اور کہا "آپ کو ایسا خیال ہے تو پیر دابنے کی اجرت دیدیجئے گا"۔ مرزا نے کہا "ہاں اس کا مضائقہ نہیں" جب وہ پیر داب چکے انہوں نے اجرت طلب کی۔ مرزا نے کہا "بھیا کیسی اجرت تم نے میرے پاؤں دابے ہیں نے تمہارے پیسے

والے حساب برابر ہوا۔"

(×) (×) (×)

خدا کے سپرد

نواب یوسف علی خاں کا انتقال ہو گیا۔ مرزا صاحب تعزیت کے لیے رام پور گئے۔ چند روز بعد نواب کلب علی خاں مرحوم کا نواب لفٹننٹ گورنر سے ملنے کو بریلی جانا ہوا۔ ان کی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود تھے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا سے کہا "خدا کے سپرد۔" مرزا نے کہا "حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے آپ پھر الٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔"

(×) (×) (×)

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

ایک خط میں نواب امین الدین خاں کو لکھتے ہیں۔

"آج تم دونوں بھائی اس خاندان میں شرف الدولہ اور فخر الدولہ کی جگہ ہو میں لم یلد ولم یولد ہوں۔"

(×) (×) (×)

آپ کو

لکھنؤ کی ایک صحبت میں دلی اور لکھنؤ کی زبان پر گفتگو چھڑی۔ ایک صاحب نے

مرزا سے کہا کہ جس موقعہ پر اہلِ دلی "اپنے تئیں" بولتے ہیں، وہاں اہلِ لکھنؤ "آپ کو" بولتے ہیں۔ آپ کی رائے میں فصیح "آپ کو" ہے یا "اپنے تئیں"۔ مرزا صاحب نے کہا "فصیح تو یہی معلوم ہوتا ہے جو آپ بولتے ہیں مگر اس میں دقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں اور میں اس کے جواب میں اپنی نسبت یہ عرض کروں کہ میں تو آپ کو کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ تو سخت مشکل واقع ہوگی۔ میں تو اپنی نسبت لکھوں گا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں" سب حاضرین یہ لطیفہ سنکر پھڑک گئے۔ [1]

(×)(※)(×)

رتھ مذکر و مؤنث

دلّی میں رتھ کو بعضے مؤنث اور بعض مذکر بولتے ہیں کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ "حضرت! رتھ مؤنث ہے یا مذکر؟" آپ نے کہا "بھیّا! جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مونث کہو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکر سمجھو" اور اگر ہیجڑے بیٹھیں تو مخنث

(×)(※)(×)

کپڑا کھاتا

جب غدر میں دہلی لٹنے لگی تو مرزا صاحب کی بیگم نے اپنی قیمتی اشیا اور زیورات

---

[1] یادگارِ غالب صفحہ ۲۶۔

زمین میں گاڑ دے۔ فتح مند سپاہیوں کو خبر ہوگئی اور انہوں نے سب کچھ کھود کر نکال لیا مرزا صاحب کو تنگدستی نے آن گھیرا اور وہ بیچارے کپڑے بیچ بیچ کر گزارہ کرنے لگے مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اس نادلدری کے زمانہ میں جس قدر کپڑا اوڑھنا اور بچھونا گھر میں تھا سب بیچ بیچ کر کھا گیا گویا اور لوگ روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا۔

(×)(٭)(×)

ناصر علی

مولانا فضل حق خیرآبادی باوجود علم وفضل مرزا صاحب کو بڑے رتبے کا شاعر مانتے تھے۔ مولانا کے ایک شاگرد ناصر علی سرہندی کے کسی شعر کے معنی مرزا صاحب سے جاکر پوچھے۔ انہوں نے کچھ معنی بیان کئے اس وہاں سے آکر مولانا سے کہا: "اب مرزا صاحب کی سخن فہمی اور سخن سنجی کی اس قدر تعریف کیا کرتے تھے آج انہوں نے ایک شعر کے معنی بالکل غلط بیان کئے" اور پھر وہ شعر پڑھا اور جو کچھ مرزا نے اس کے معنی کہے تھے بیان کئے۔ مولانا نے فرمایا پھر ان معنوں میں کیا برائی ہے۔ اس نے کہا برائی تو کچھ نہ پایا تو مگر ناصر علی کا یہ مقصود نہیں ہے"۔ مولانا نے کہا اگر ناصر علی نے وہ معنی مراد نہیں لیے جو مرزا نے سمجھے نہیں تو اس نے سخت غلطی کی۔

(×)(٭)(×)

شیخ علی حزیں

حکیم مومن خاں کے یہاں کچھ اہل علم جمع تھے مرزا صاحب کا ذکر آیا اور ان کا

یہ شعر پڑھا گیا ؎

تو بدیں شیوۂ گفتار کہ داری غالب   گر تو فی نہ کنم شیخ علی را مانی

مومن خاں کہنے لگے مرزا نے سچ کہا وہ شیخ علی حزیں کے مثل تھے ہیں؟

(×)(×)(×)

پھانسی کا پھندا

کسی نے امراؤ سنگھ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال مرزا کو لکھا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس کے ننھے بچے ہیں اب اگر تیسری شادی نکرے تو کیا کرے اور بچوں کی کس طرح پرورش ہو۔ مرزا اس کے جواب میں لکھتے ہیں "امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے کہ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو دو بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ۔ ایک اور پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے"۔

(×)(×)(×)

بسمل

ایک دن کا ذکر ہے مرزا صاحب کے پاس فرخ مرزا بیٹھے ہوئے تھے فرخ مرزا نے پوچھا "حضرت بسمل کے کیا معنی ہیں"۔ اس وقت مرزا گاؤ تکیہ پر سر ٹیکے

اور ٹانگیں سکڑی کئے ہوئے کسی قدر اوندھے بیٹھے تھے، کہنے لگے۔
جس حالت میں اس وقت میں ہوں سمجھ لو کہ اس حالت والے کو
بسمل کہتے ہیں۔"

تف بریں وبا

ایک دفعہ دہلی میں وبا پھیلی میر مہدی مجروح نے بذریعہ خط مرزا سے پوچھا کہ حضرت وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی موجود ہے۔ مرزا صاحب نے جواب لکھا "بھئی کیسی وبا جب مجھ سے چھیاسٹھ برس کے بڈھے اور چونسٹھ برس کی بڑھیا کو نہ مار سکی۔ تو تف بریں وبا۔"

وبائے عام میں مرنا کسر شان تھی

مرزا صاحب نے اپنی تاریخ وفات کا مادہ ۱۲۶۹ء میں نکالا جس سے ۱۲۷۷ نکلتے تھے اس زمانہ میں شہر میں وبا پھیلی ہوئی تھی، مرزا صاحب محفوظ تھے۔ ایک دوست کو لکھا جس کو یہ مادہ تاریخ معلوم تھا۔ "میاں ۱۲۷۷ء کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا کے سمجھ لیا جائیگا۔"

پنجابی مثل

ایک صاحب کو خط میں لکھتے ہیں۔
"پنشن مل جائے حواس ٹھکانے ہو جائیں تو کچھ فکر کروں"
"پیٹ پڑیں روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں"

(×) + (×) + (×)

چودہ طبق روشن

ایک دفعہ مرزا صاحب کے ایک شاگرد نے مرزا سے کہا کہ حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ گویا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھئے تو میں کیسا فصیح ہو گیا ہوں۔"

مرزا صاحب نے کہا "ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیپلیاں کیوں نہ کھا لیں۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے۔"

(×) × (×) × (×)

پیٹنس

مفتی صدر الدین خاں آزردہ مرزا غالب کے مکان کے سامنے سے گذرے، مگر چونکہ

اس وقت جلدی میں تھے لہذا انھوں نے مرزا غالب کے پاس ٹھہرنا ضروری نہ سمجھا، کہاروں سے تاکید کی کہ جلد چلو وہ کندھا بدلنے لگے مگر آزردہ کو جلد گھر پہنچنا تھا ان کو کندھا بدلنے نہ دیا۔ مرزا غالب یہ حال اپنے مکان کے غرفہ سے دیکھ رہے تھے۔ فوراً یہ شعر کہہ کر رقعہ لکھا اور آدمی کے ہاتھ مفتی صاحب کے پاس بھیجدیا۔

پیش ہیں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ مرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

آزردہ نے شعر پڑھا اور اسی وقت مرزا صاحب پاس آئے اور مجبوری کا اظہار کیا اور ایسی معذرت کی کہ مرزا صاحب خوش ہو گئے۔ دوست کو رضامند کر کے آزردہ مکان لوٹ آئے۔

خضر سلطان

قلعہ معلیٰ میں حضرت ذوق کی شاعری کی گرم بازاری تھی، بادشاہ اور شہزادہ آئے دن مشاعرہ کیا کرتے۔ جناب ذوق کی یہ کوشش رہتی کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کا چراغ قلعہ میں نہ جلے تو مرزا کے ریختہ پر اپنے شاگردوں میں بیٹھ کر حرف گیری کیا کرتے۔ خضر سلطان کو مرزا سے حسن عقیدت تھی۔ انھوں نے قلعہ والوں کی باتیں مرزا سے جا لگائیں۔ اس پر مرزا فرماتے ہیں۔

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

راست می گویم من داز راست سر نتواں کشید
ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

کاغذی پیرہن

میرے والد مولوی اکرام اللہ مرحوم فرماتے تھے۔

"ایک دن مرزا صاحب کے یہاں ان کے احباب جمع تھے۔ سخن فہمی اور شعر گوئی پر بحث چھڑ گئی، فارسی گو شعراء کا کلام پڑھا جانے لگا۔ ایک صاحب نے بابا فغانی کا یہ شعر پڑھا:۔

تاکہ دست قدر از دست تو بر بود قلم

کاغذیں پیرہن از دست قدر باد مرا

ایک دوسرے صاحب نے کہا حضرت ایسا ہی کمال اسمٰعیل نے بھی لکھا ہے اس میں نئی بات کاغذی پیرہن اور کاغذی جامہ کی ہے۔ اب تک ہندوستان کے شعراء اس پر نہ لکھ سکے۔ مرزا صاحب نے فی البدیہہ فرمایا:۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ہر ایک شخص نے اس فکر کی داد دی اور شعرائے فارس سے بڑھ کر کہنے پر مسرت کا اظہار کیا۔

—— (×) + (×) + (×) ——

آپ شہید کب ہوئے

مرزا غالب کو مولانا غلام امام شہید سے بھی مرزا قتیل کی بدولت کہ ایک

مرتبہ آپ نے خاص ظریفانہ انداز میں دریافت کیا۔ حضرت "آپ شہید کب ہوئے"
اور کیونکر ہوئے مولانا شہید نے جواب دیا کہ جب سنّے کافر غالب ہوئے"
اور مرزا صاحب کا یہ شعر لکھ کر بھیجدیا

با من ما دیزائے پدر فرزند آذر را نگرد
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگانِ خوش نکرد

مرزا نے پڑھا اور مسکرا کر رہ گئے۔

———(×)(※)(×)———

مجروحِ غالب

مرزا غالب میر مہدی مجروح کے یہاں گئے۔ مجروح بے حد خوش ہوئے۔
استاد کی خاطر مدارات کے بعد مرزا صاحب کی اصلی تواضع نہ کرسکے تو ایک غزل سنائی
اس کا مقطع کہتے ہیں ؎

غالب آئے ہیں لاؤ اے مجروح
بادۂ ناب میں ملا کے گلاب

مرزا صاحب مسکرا دئے اور رخصت ہو آئے۔

———(×)(※)(×)———

چھ ماہی

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:۔

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

اب اس میں دم کیا ہے

بنام مرزا حاتم علی مہر۔

بہت ہے غم گیتی شراب کم کیا ہے — غلام ساقی کوثر ہوں مجکو غم کیا ہے
سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی — یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

نکما کر دیا

مرزا تفتہ: جو کچھ ہم نے لکھا یہ بیدردی ہے بدگمانی ہے۔ معاذ اللہ تم سے اور آزردگی مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص۔ بھائی اب مجھ میں کچھ باقی نہیں۔ برسات کی مصیبت گذر گئی لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا اسلئے لیٹے لیٹے لکھتا ہوں:۔ ضعف نے غالب نکما کر دیا ، ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔

بنام مرزا شہاب الدین احمد خاں

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلو کو دے کے بیوجہ جواب غالب کا پکا دیا کلیجہ تم نے

(×) + (×) + (×)

سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن

اے روشنی دیدۂ شہاب الدین خاں کتنا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن

(×) + (×) + (×)

بنام حضرت علائی

"مری جان۔ . . . . بس پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی۔ میں نے حسب الحکم غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ ہے؟

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

مقطع یہ ہے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

(×) + (×) + (×)

اچھی جورو بُرے خاوند

عزیز الغفنۃ کو لکھتے ہیں: "

"لاحول ولاقوۃ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر اشعار کی اصلاح منظور رکھی اگر میں شعر سے بیزار ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار۔ میں نے تو بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا جیسے اچھی جورو برے خاوند کے تمام نباہ نا اختیار کرتی ہے۔ میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے۔"

(×)+(✱)+(×)

دوکان بے رونق

مرزا تفتہ :۔

"حضرت اس قصیدہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن افسوس کہ بے محل اور بے جا ہے۔ اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہ حال ہے کہ ایک مزبلہ پر سیب کا یا ہی کا درخت اُگ جائے۔
خدا تم کو سلامت رکھے دوکان بے رونق کے خریدار ہو۔"

(×)+(✱)+(×)

کیمیا و سیمیا

بھائی ریمیا و سمیا خرافات ہے اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون اور بو علی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ کیمیا اور سیمیا دو علم شریف ہیں جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کیمیا جو اسما سے متعلق ہو وہ سیمیا۔

جان غم سیمیا نخورد سگے　　　دل سوئے کیمیا نیاورم

شعر بامعنی ہو گیا یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے۔
کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے"۔

(×)+(×)+(×)

خسرو فیضی

ہرزہ مشتاب و پۓ جادہ شناساں بردار | اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے"۔

(×)+(×)+(×)

حمزہ خاں

بنام حضرت علائی

صاحب بہت دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ آپ کا وکیل بڑا چرب زبان ہے مقدمہ اس نے جیت لیا چنانچہ اس کی تحریر سے تم کو معلوم ہوا ہوگا۔ سنتا ہوں کہ حمزہ خاں کو ان دنوں علت مشائخ کا زور ہے اور سعدی کی اس بات پر عمل کرتے ہیں

کسا نیکہ یزداں پرستی کنند | بآواز دولاب مستی کنند

(×)+(×)+(×)

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نواب کلب علی خاں بہادر مرحوم و مغفور کو لکھتے ہیں۔

"حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت"

...... آپ کے غلام زر خرید یعنی حسین علی خاں کی منگنی ہو گئی اور اپنے کنبے میں ہوئی یعنی نواب احمد بخش خاں مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے اور رجب کا مہینہ قرار پایا۔ اب میرے بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہاتھ ہے

نکہوں آپ سے تو کس سے کہوں — مدعائے ضروری الاظہار

تم سلامت رہو ہزار برس — ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار[1]

—(×)+(※)+(×)—

چھپ جانا

خواجہ غلام غوث بیخبر کو لکھتے ہیں۔

بندہ پرور اگر ایک بندۂ قدیم کہ عمر بھر فرماں پذیر رہا ہو، بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لاوے تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچہ پر موقوف ہے تو اس کا مجموعہ چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

رسم است کہ مالکان تحریر — آزاد کنند بندۂ پیر

[1] مکاتیب غالب صفحہ ۹۵

ابر مطیر

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض آنکہ منشور عطوفت عز ورود لایا۔ تنخواہ جولائی ۱۸۶۵ء
ماہ کا روپیہ از روئے ہنڈوی ملفوفہ معرض وصول میں آیا۔

اگرچہ یہاں مینہ اس قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار
حاصل ربیع سے ہاتھ دھولیں مگر چونکہ بفرمان ازلی میرے رزق کی
برات آپ پر ہے اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے،
ابر رحمت کے شکریہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں

قطعہ

مقام شکر ہے اے ساکنان خطۂ خاک — رہا ہے زور سے ابر ستارہ بار برس
کہاں ہے ساقی مہوش کہاں ہے ابر مطیر — بیار لائی گلنار گون بہار برس
خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی — در حضور پر اے ابر بار بار برس
ہر ایک قطرہ کے ساتھ آئے حور و ملک — امیر کلب علی خاں جئیں ہزار برس
فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں — کئی ہزار برس بلکہ بے شمار برس
جناب قبلۂ حاجات اس بلاکش نے — بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس

شفا ہو آپ کو غالب کو بند غم سے نجات
خدا کرے کہ ایسا ہو سازگار برس[1]

---

[1] مکاتیب غالب صفحہ ۵۷۔

دہلی میں

ایک موقعہ پر مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دہلی میں رہیں کھائینگے کیا

(×) + (※) + (×)

قبالہ

ایک صاحب مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ صبح سے دوپہر ہوگئی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتے۔ مرزا عام معمولات روکے ہوئے بیٹھے تھے جب مرزا عاجز ہوگئے تو نوکر سے کہا صندوقچہ میں سے قبالہ اس مکان کے نکال کر آپ کے سپرد کردو۔ وہ صاحب پشیماں ہوکر رخصت ہوئے۔"

(※) + (※) + (※)

فرمائش علائی

مرزا صاحب اپنا دیوان نقل کراکر جناب علائی کے پاس بھیج چکے تھے اس کے بعد پھر ان کی غزل کی فرمائش ہوئی اس پہ غزل لکھ کر خط میں رکھ کر ان کو بھیجدی۔ مقطع میں اس کا اظہار بھی کردیا ہے

ہم سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی　　ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

(×) + (·×·) + (×)

عرضِ ہنر

مرزا غالب نے مولانا فضل حق وغیرہ کے کہنے سننے سے اور زمانہ کو سادے مضامین کی طرف مائل دیکھنے سے سیدھے سیدھے صاف صاف شعر کہنے شروع کئے۔ تو اس افسوس کی وجہ سے فرماتے ہیں۔

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

(×) + (·×·) + (×)

ورثہ

مرزا صاحب نے تمام عمر نہ مکان بنایا نہ کوئی ضرورت سے زیادہ سامان خریدا کتاب تو کبھی بھی اپنے داموں خریدی ہی نہ کی۔ چنانچہ آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ خود ہی اپنے ورثہ کی تصویر کھینچی ہے

چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

(×) + (·×·) + (×)

موت کی آرزو

مرزا صاحب آخر عمر میں بسبب ضعیفی اور کلفتوں کے موت کی بہت آرزو کرتے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی۔

مرزا نے کئی دفعہ اپنے مرنے کی تاریخ کہی مگر ہر دفعہ غلط نکلی ۱۲۷۷ھ میں انھوں نے غالب مرد تاریخ کہی ان کے شاگرد منشی جواہر سنگھ جوہر نے ان سے کہا کہ حضرت انشاءاللہ یہ مادہ بھی غلط ثابت ہوگا۔ وہ بولے دیکھو صاحب تم ایسی فالِ بد منہ سے نہ نکالو اگر یہ مادہ ٹھیک نہ نکلا تو میں سر پھوڑ کر مر جاؤں گا۔"

خواجہ غلام غوث بیخبر کو لکھتے ہیں کہ:-

من کہ باشم کہ جاوداں باشم
چوں نظیری نماند و طالب مُرد

در بگویند در کدامی سال
مُرد غالب بگو کہ غالب مُرد

آخرش وہ دن آ ہی گیا۔

آہ غالب مرد
۱۲۸۵